اُمتِ مسلمہ کے استحکام کے لیے اسلامی نظامِ تعلیم کا لزوم
(معاصر عالمی منظرنامے کی روشنی میں)

The vitality of the Islamic Educational System for the Stability of the Muslim Ummah (In Light of the Contemporary Global Context)

Dr. Hafsa Nasreen
Assistant Professor
Department of Urdu Encyclopedia of Islam
University of the Punjab, Lahore
Email: Dr.hafsa105@gmail.com

Abstract
The primary aim of this research paper is to explore the significance and necessity of Islamic educational system as a pathway to progress in various aspects of life. For any nation striving for rapid development, wholehearted focus and investment in education are essential. Such progress can be achieved if the state prioritizes education, particularly Islamic educational system, and offers substantial support for its advancement.

In today's world, the value of Islamic educational system, grounded in the teachings of the Quran and Hadith, remains undeniable. Developed nations such as the USA, China, Russia, Finland, Singapore, England, France, and Germany have recognized the power of prioritizing education based on clear vision and aims. As a result, they have achieved remarkable economic, technological, and political growth, making them some of the most prosperous and forward-looking countries. Israel's educational system made a strong, vision oriented nation.

Therefore, implementation of Islamic educational system is critical for social, economic, and political progress. There is an urgent need for Ummah to prioritize education to achieve similar leaps in advancement. Continuous, dedicated support from the government, especially in the realm of Islamic educational system, which is the key for Ummah to survive in contemporary world.

Keywords: Educational system, nation building, Seerah

ابتدائیہ:

ایک قوم یا ریاست کا تعلیمی نظام قوم کی تشکیل و تعمیر اور اس کی بقا و استحکام میں اس بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے جس پر پوری عمارت ایستادہ ہوتی ہے۔ اس کے ادراک کے لیے یہ تاریخی مثال ہی کفایت کرتی ہے کہ جہاں جہاں یورپی اقوام نے نو آبادیات قائم کیں وہاں نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم کو کلیتاً تبدیل کر دیا تاکہ وہ قوم کبھی محکومی و غلامی سے آزاد ہو ہی نہ پائے۔ برصغیر میں انگریزوں نے مقامی نظامِ تعلیم کی جس طرح بیخ کنی کی۔ مدارس بند کر دیے، عربی و فارسی کا قلع قمع کر دیا نہ صرف عربی بلکہ سنسکرت کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا تاکہ ہندو بھی اپنی اصل سے الگ ہو جائیں۔ برطانوی سرکار کے پاس تعلیم پر خرچ کرنے کے لیے ایک لاکھ روپیہ تھا جس کے بارے لارڈ میکالے کے الفاظ برائے ملاحظہ ہیں:

"I think it is clear that .... we are free to employ our funds as we chose, we ought to employ them in teaching what is best worth knowing, that english is better worth knowing than Sanscrit or Arabic...[1]"

اور اس نئے نظامِ تعلیم اور طرزِ تعلیم کا مقصد بھی میکالے نے بصراحت بیان کر دیا

"We must at present do our best to form a class who may be interpreter between us and the millions whom we govern, class of persons Indian in blood and colour, but English in taste, in opinions, in morals and in intellect[2]."

یہ امر غور طلب ہے کہ یہودی پروٹوکولز میں تعلیمی پروگرام اور نصاب پر خاص توجہ کیوں دی گئی ہے مثلاً:

"لوگ نظریات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انھیں ہمیشہ حرزِ جان بنائے رکھتے ہیں۔ وہ ان نظریات کو تعلیم ہی کے ذریعے اپناتے ہیں جو ہر عمر کے افراد کو مختلف طریقوں سے فراہم کی جاتی رہی ہے، لیکن ہم اپنے مفادات کے پیشِ نظر فکر و خیال کی ہر آزادی کو ختم کر دیں گے جس کا رخ ہم عرصہ دراز سے ان موضوعات و تصورات کی طرف موڑتے رہے ہیں جو ہمارے لیے مفید تھے۔"[3]

"ہمارے قواعد و ضوابط کو جامہ عمل پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہو گا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہے۔ عوام کو جب تک از سرِ نو ہمارے نصاب کے مطابق زیورِ تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائے گا ان قواعد و ضوابط [جو غیر یہود کے لیے وضع کیے گئے] کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہیں ہو گا"[4]۔

"ہم تمام اجتماعی قوتوں کو (ماسوائے خود کے) ختم کر دیں گے اس پروگرام کی پہلی سیڑھی یونیورسٹیاں ہیں۔ ہم اسی مقصد کے لیے از سرِ نو تنظیم کریں گے"۔[5]

اسی لیے اقبالؒ نے کہا تھا

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم

ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

جزو اول: معاصر عالمی منظر نامہ-ایک طائرانہ نظر

معاصر عالمی منظر نامے پر ایک طائرانہ نظر ہی بساط عالم کے موجودہ حالات کو بخوبی واضح کر دیتی ہے۔ اس وقت تمام ذرائع و وسائل یہود و نصاریٰ اور ہنود کے قبضے میں ہیں۔ صنعت و تجارت، معیشت و اقتصادیات پر انھی کا راج ہے۔ عالمی منڈی انھی کے زیرِ تسلط ہے حتّٰی کہ مسلم ممالک کے ذرائع و وسائل پر بھی وہ بالواسطہ قابض ہیں۔ تمام میادینِ حیات میں انھیں وہ برتری حاصل ہے جو کبھی امت مسلمہ کے سر کا تاج اور اس کا تخصص تھی۔ اس برتری کا بنیادی سبب ان کا تعلیم کے میدان میں سبقت لے جانا ہے۔ یہودی و نصرانی علماء نے صدیوں محنت کی۔ جملہ عربی کتب کو اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ ان کی تازہ کاری کی اور ہم سے بہت آگے نکل گئے۔ لہٰذا آج وہ علمی میدان میں بھی آگے ہیں اور عسکری میدان میں بھی۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ دیرپا اور مستحکم انقلاب علم کی بنیاد پر آیا کرتا ہے۔ تعلیم سے نسلیں تیار کی جاتی ہیں، جو قوموں کا مستقبل بناتی یا بگاڑتی ہیں۔ جو تاریخ کے دھارے موڑتی ہیں اور بقاء یا عدم کا سبب بنا کرتی ہیں۔ علمی میدان میں مسلمانوں اور دیگر اقوام کے حالات کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ، ہنود، اہلِ چین، سبھی سے پیچھے ہیں۔ فلسطین میں مسلمانوں کا قتلِ عام جاری ہے اور ساری دنیا بشمول امت مسلمہ کے تماشائی بنی دیکھ رہی ہے۔ اس کا ایک بنیادی سبب تو یہ ہے کہ مسلم ممالک کے کاروبار یہود کے پنجہ استبداد میں ہیں۔ ہمارے مفادات ان سے جڑے ہیں لیکن اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ یہودی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت یکسر مختلف انداز میں کر رہے ہیں۔ ان کے طرزِ تعلیم و تربیت کا خلاصہ یہ ہے کہ بچے کی ولادت سے چند ماہ قبل اس کے ماں باپ بآوازِ بلند ریاضی کے مشکل سوال حل کرتے ہیں تاکہ وہ بچہ ذہین ہو سکے۔ بچوں کو ایسا نصاب پڑھایا جاتا ہے جس سے ان کی ذہن سازی کی جاتی ہے کہ وہ دنیا پر راج کرنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ملازمت نہیں کرنی بلکہ خود کاروبار کرنا ہے اور ہزاروں لوگوں کو اپنے تحت ملازم رکھنا ہے۔ ان بچوں کو تیر اندازی، گھڑ سواری، نشانہ بازی، تیراکی و سپہ گری جیسے فنون میں طاق کیا جاتا ہے۔ حتّٰی کہ میٹرک کے درجے کی سند کا حصول بھی عسکری مہارت کے چند خاص امتحانات میں کامیابی سے مشروط ہے۔ یہودی بچوں کو سوشل میڈیا تک ایسی رسائی نہیں دی جاتی جو ہمارے ہاں تمام بچوں کو ہمہ وقت میسر ہے۔ انھیں [یہودی بچوں کو] اس پر صرف وہ دکھایا اور سکھایا جاتا ہے جو ان کے اساتذہ اور ماہرینِ تعلیم نے طے کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ ان لغویات اور

رطب و یابس سے محفوظ ہیں جن میں دنیا بالعموم اور امت مسلمہ کی نسلِ نو بالخصوص مبتلا ہے۔ ایک تجزیے کے مطابق ایک 14 سالہ اسرائیلی نوجوان مسلم دنیا کے 25 سالہ مرد سے کہیں زیادہ پختہ فکر، ذہین، سمجھدار، اور بالغ نظر ہوتا ہے۔ اسے اپنے مقصدِ حیات کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ اس وقت بھی امریکہ میں یہود کی آبادیوں میں مروجّہ تعلیم و تعلّم سے متعلق متعدد Vlogs سے مفصل معلومات مل جاتی ہیں۔ ان کی تکذیب نہیں کی جاسکتی اور انھیں حوالہ جات کی چنداں ضرورت نہیں کیوں کہ یہود کی طاقت کے مظاہر اور اسرائیل کی موجودہ چیرہ دستیاں اس کی کافی و شافی شہادت دیتی ہیں۔ نتائج یہ ہیں کہ دنیا کے نقشے پر ایک نکتے کی حیثیت کے حامل اسرائیل کے سامنے ساری دنیا بے بس ہے۔

دریں حالات امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی بحالی کی واحد راہ اسلامی نظامِ تعلیم کے نفاذ اور اس کے عین مطابق افراد کی ویسی ہی تیاری ہے جیسی مدینہ منورہ میں معلم انسانیت حضورؐ اکرم نے کی۔ ضروری ہے کہ اس نبوی نظامِ تعلیم کے خط و خال، اس کے تفرّدات و تخصّصات کا جائزہ لیا جائے۔ وہ زریں اسباق اخذ کیے جائیں جن کے ثمرے میں ایک تاریخ ساز، فقید المثال انقلاب برپا ہوا۔

سطورِ زیریں میں اسلامی نظامِ تعلیم کے بنیادی خط و خال پیش کیے جا رہے ہیں نیز اس کے ساتھ ساتھ تمام اسلامی ممالک کے تعلیمی نظام میں مطلوبہ تبدیلیوں کا بھی اجمالاً تذکرہ کیا جائے گا۔

جزو دوم: اسلامی نظامِ تعلیم کے خط و خال

- **علم کی اہمیت**

اوّلیں وحی اِقرَا بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ تعلیم کی اہمیت اور اس کے مقام پر دلالت کے لیے کافی و شافی ہے۔ پھر آپؐ کا فرمان مبارک انما بعثت معلما اس حکم ربی کی تصدیق و توثیق کرتا ہے۔ آپؐ نے تاریخ عالم میں جو عدیم النظیر انقلاب برپا کیا بلاشبہ وہ ایک تعلیمی تحریک ہی تو ہے جس سے افراد کی ذہنی و قلبی کیفیت، ان کی شخصیت میں ایسا تغیّر آیا جس نے نہ صرف اس کرہ ارض پر زندگی بسر کرنے کا ایک نظام، اقدار اور مقاصد عطا کیے بلکہ ایک نئے خاندان، نئے نظام، نئے معاشرے، نئی ریاست اور نئی تہذیب کی بناڈالی۔

جس دین کا آغاز ہی پڑھنے کے حکم سے ہوا اس میں تعلیم اور نظامِ تعلیم کی اہمیت اور نوعیت کیا ہو گی! ایک حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ سو یہ موضوع تفصیل اور حوالہ جات کا چنداں محتاج نہیں۔ اسلام میں اولین مدرسے کی حیثیت دارارقم کو حاصل ہے۔ آپؐ وہاں قرآن کریم کے

ساتھ ساتھ حکمت و دانائی اور تذکیے کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے[6]۔ اس مدرسے کا نصاب قرآن کریم تھا جو تمام علوم کا جامع ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَا فَرَّطنَا فِي الكِتٰبِ مِن شَيئٍ[7]

اور

وَ نَزَّلنَا عَلَيكَ الكِتٰبَ تِبيَانًا لِّكُلِّ شَيئٍ[8]

جوں جوں اسلام پھیلتا گیا آپؐ معلمین مقرر فرماتے چلے گئے۔ دور دراز علاقوں سے جب کوئی آکر اسلام قبول کرتا تو آپؐ ان کو تعلیم دیتے اور باقاعدہ حکم فرماتے کہ جاکر اپنے لوگوں کو سکھاؤ۔ مثلاً بیعت عقبہ ثانیہ میں جن افراد نے اسلام قبول کیا تھا ان کی خواہش پر رسول اکرمؐ نے ان کے ساتھ مکہ سے ایک تربیت یافتہ معلم روانہ کیا جو انھیں قرآن کریم کی تعلیم دے سکے اور دینیاتِ اسلام سے واقف کرا سکے[9]۔ مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست کا قیامِ عمل میں آیا تو یہ سلسلہ تعلیم پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہوا۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپؐ بنفسِ نفیس تعلیمی سرگرمیوں کی سرپرستی فرماتے۔ آپؐ نے حضرت سعیدؓ بن العاص کو لوگوں کو قراءت و کتابت سکھانے کے لیے تعینات فرمایا تھا۔ یہ بہت خوش نویس تھے[10]۔ مختلف قبائل کے وفود آکر اسلام قبول کرتے اور آپؐ واپسی پر کسی تجربہ کار صحابی کو ان کے ساتھ بطور معلم بھیج دیتے[11]۔ بئر معونہ کا سانحۂ عظیم بھی آپؐ کے اسی معمول کی ایک مثال ہے۔ ستّر صحابہ کو معلم بنا کر نجد کی طرف بھیجا گیا۔ راستے میں انھیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ آپؐ اس واقعے پر اتنے حزین تھے کہ ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔[12] بعض اوقات کسی کو گورنر یا حاکم مقرر کرتے تو تعلیم کی ذمہ داریاں بھی ذاتی طور پر اس کے سپرد کر دی جاتیں۔ عمروؓ بن حزم کو جب یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تو ان کو خاص تاکید کی گئی کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم کا بندوبست کریں اور اس کی نگرانی کریں۔ ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ جب مدینہ کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترک وطن کر کے مرکز اسلام کے قریب آبسیں۔ بسااوقات ان کو اپنی آبادی بسانے کے لیے سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں۔ اس کا مقصد تعلیم ہی تھا۔[13]

نوزائیدہ اسلامی ریاست کا اولین باقاعدہ مدرسہ صُفّہ تھا۔ یہ عالم اسلام کی پہلی اقامتی یونیورسٹی تھی۔ جس نے نامور صحابہ کرام کی جماعت پیدا کی۔ اس مکتب میں محض قرآن و سنت کی تعلیم ہی نہیں تھی بلکہ معاشرہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و سانحات سے شناسائی بھی کرائی جاتی۔ یہ درس گاہ بیک وقت علمی و تربیتی،

فکری و اعتقادی تھی جس میں معاشرت، سیاست، فوجی تربیت، امور انساب، لسانیات و اخلاقیات سبھی کچھ سکھایا جاتا تھا۔ انھیں کتابت بھی سکھائی جاتی تھی۔ کتابت میں یہاں استاد کا درجہ حضرت عبادہؓ بن صامت کو حاصل تھا اس فریضے کی ادائی پر انعام کے طور پر انھیں ایک کمان بھی دی گئی تھی[14] یہ جگہ دنیا کا بہترین مکتب تھی جسے بہترین مربی میسر آئے۔

اس کے علاوہ بھی آپؐ نے تعلیم و تعلّم کے لیے ہر ممکنہ اقدام کیا۔ ایک اہم مثال اسیر انِ غزوہ بدر کی ہے۔ جن میں سے جو لوگ فدیہ نہیں دے سکتے تھے انھیں مسلمان بچوں کو کتابت و قراءت سکھا کر آزادی کا پروانہ ملنے کی نوید سنا دی گئی[15]۔ آپؐ کے عہد مبارک میں تعلیمی سرگرمیوں اور نظامِ تعلیم کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

عہدِ خلافت راشدہ میں بھی یہ سلسلہ اسی توجہ سے جاری و ساری رہا۔ بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ کا عہد ایک زریں مثال ہے۔ جنھوں نے تعلیم کو جبری قرار دیا۔ جگہ جگہ، شہر شہر مدرسے بنوائے۔ مدرسین کا تقرر کیا۔ پھر وقتاً فوقتاً انھیں نصابِ تعلیم سے متعلق ہدایات بھی جاری فرماتے رہتے۔[16]

- **صغر سنی سے تعلیم کا لازم و جبری اور قابلِ تحصیل ہونا:**

فرمان رسول اکرم ہے:

طلب العلم فريضةٌ على كل مسلم و مسلمة[17]

اور یہ سلسلہ صغر سنی میں ہی شروع ہو جانا چاہیے۔ بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے اور علم حاصل کرنے کا یہ بہترین دور ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے۔

”بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب“[18]

آپؐ کے فرامین اور اسوۂ مبارک سے یہی رہنمائی ملتی ہے۔ آپؐ نے والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے“[19]

اور

”آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے“۔[20]

سو تعلیم کی تحصیل اور فراہمی لازم ہے اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم کے حصول کو جبری قرار دے کیونکہ اسے لوگوں کی ذاتی رائے اور پسند ناپسند پر نہیں چھوڑا جاسکتا اور لوگوں کے لیے اس امر کو ممکن اور آسان بنائے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔ جب ہر عمر کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے تو ہر نو مسلم پر مختلف علوم کا جاننا لازم تھا جس کے لیے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خاص طور پر خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا تھا[21] اور اس کے لیے گشتی تعلیمی دستے بھی مقرر کر رکھے تھے جو لوگوں کی تعلیمی صلاحیت کا جائزہ لیتے اور ضرورت کے مطابق ایسے افراد کو اساتذہ کے سپرد کرتے۔

یہ اسلام ہی کا تخصص ہے کہ اس نے تعلیم کو ہر ایک کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ دیگر مذاہب میں جہاں اور بہت سی اجارہ داریاں قائم تھیں وہاں تعلیم کے میدان پر اجارہ داری بھی شامل تھی۔ مثلاً قبیلہ قریش کے صرف 17 لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سینٹ پال نے مسیحیت کی ترویج کی تو اس نظام کے گرجاؤں میں ایک عام آدمی نہیں جا سکتا تھا۔ ہندوؤں کے ہاں بلاارادہ بھی کوئی شودر وید کا اشلوک سن لیتا تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا اور آج بھی شودر کے لیے ہندومت کے مقدس متون سننا پڑھنا ممنوع ہے۔ اسلام نے تعلیم و تعلّم کی نہ صرف گنجائش و رعایت رکھی بلکہ اسے فرض قرار دیا۔

عہد رسالت مآب اور عہدِ خلافت راشدہ میں مفت تعلیم کا تصور عام تھا۔ لہٰذا اسلامی ریاست میں تعلیمی حکمت عملی وضع کرتے ہوئے تعلیم کے لیے بجٹ مختص کیا جانا چاہیے جس سے غریب و نادار افراد بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔ آپؐ نے ہر مسلم عالم پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے[22] اور اسی لیے کتمان علم پر شدید وعید کی گئی ہے۔ فرمایا "جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہوا اور اس نے اسے چھپایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے آگ کی لگام پہنائیں گے[23]۔

فرمایا "جیسے تیرے مال میں دوسروں کا حق ہے ویسے ہی تیرے علم میں دوسروں کا حق ہے"[24]۔

متأخر ادوار میں بھی تعلیم مفت رہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف مکاتب قائم کیے جن کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ قرآن، احادیث، سیرت و غزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب، کتابت وغیرہ کی تعلیم مفت ہوتی تھی اور قرآن پاک کی تعلیم پانے والوں کے لیے وظائف کا بھی انتظام تھا[25] حکومتی اہتمام کے علاوہ نجی طور پر اساتذہ تنخواہ لینے سے گریز کرتے تھے اور چونکہ ان کی ضروریاتِ زندگی حکومتِ وقت پوری کیا کرتی لہٰذا عام طور پر معاوضے قبول نہیں کرتے تھے۔

- **مقصدیت**

دنیا کی ہر شے کی تخلیق کے پیچھے، ہر نظام ہر پالیسی کے پسِ پشت کوئی مقصد کوئی محرک کارفرما ہوتا ہے۔ نظامِ تعلیم جیسا اہم ترین نظام مقصدیت سے عاری کیسے ہو سکتا ہے جس پر نسلوں کی تشکیل منحصر ہو عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں تعلیم و تربیت کے لیے مروجہ طریقے دالّ ہیں کہ اس نظام میں مقصدیت اساسی اہمیت کی حامل تھی چنانچہ امت مسلمہ ایک ایسی قوم و ملت جس کی اپنی ایک جداگانہ شناخت، ایک تہذیب اور سب سے بڑھ کر ایک واضح نصب العین حیات ہے اس کے تعلیمی نظام کی اساس و بنیاد ایک واضح مقصد پر رکھی جانی چاہیے۔ مودودیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں "مجھے ایسی کوئی قوم معلوم نہیں ہے جس نے اپنا نظامِ تعلیم خالصتاً معروضی بنیادوں پر قائم کیا ہو، جو اپنی نسلوں کو بے رنگ تعلیم دیتی ہو اور اپنے ہاں ایسے غیر جانب دار نوجوان پرورش کرتی ہو جو تعلیم سے فارغ ہو کر آزادی سے یہ فیصلے کریں کہ انھیں اپنی قومی تہذیب کی پیروی کرنی ہے یا کسی دوسری تہذیب کی؟[26] سو اسلامی نظامِ تعلیم کی خشت اول "مقصد" ہونا چاہیے۔ وہ مقصد قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِيَعبُدُونِ [27]

"میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"

اسلامی ریاست کا ہر نظام اور نظامِ تعلیم بالاولیٰ اسی دائرے یعنی "عبدیت" کو محیط ہو گا۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کے قصے بغرض موعظت و نصیحت پیش کیے گئے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے آخری وقت کی منظر کشی یوں ملتی ہے کہ اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں یعنی تمام نسلِ نو کو جمع کر کے ان سے پوچھ رہے ہیں "ماتعبدون من بعدی"[28] "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے"؟

عبادت میں صرف سر جھکانا، سجدہ کرنا، نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ عبادت کے معنیٰ ہیں اطاعتِ مطلقہ، خدائے وحدہ لاشریک لہ کے حکم پر چلنا، اس کے اشارے کو دیکھنا اور اس کے قانون کو جاننا اور اس کی شریعت کی پیروی کرنا"۔[29] گویا اکل و شرب، نشست و برخاست، بود و باش، خانگی و عائلی حیات، معیشت و سیاست ہر معاملہ حیات میں قرآن و سنت کا تتبع ہی عبدیت ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے نظامِ تعلیم کی تشکیل ایسی ہی ہونی چاہیے کہ وہ متعلمین کو "عبدیت" کے تقاضے اور ان کی تکمیل کے طریقے سکھائے جس کے لیے آپؐ کا اسوۂ حسنہ کفایت کرتا ہے۔ تو مدارس و مکاتب [گویا جملہ تعلیمی اداروں] کا قیام در حقیقت اسی دینی، ایمانی، اعتقادی، عملی،

اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تسلسل رکھنے کے لیے ہے اگر ان [اداروں] کے سامنے یہ مقصد نہیں ہے تو انھوں نے اپنی اہمیت و افادیت، اپنا کام نہیں سمجھا۔[30]

اللہ رب العزت نے اسلامی ریاست کا مطلوبہ تصور علم و نظامِ تعلیم اور مقصدِ حیات کا شعور اوّلین وحی میں بیان فرما دیا ہے:

اِقرَا بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَo خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍo اِقرَا وَرَبُّکَ الاَکرَمُ o الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ o عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم[31]

گویا مقصدیت کے حامل علم کی سمت اور اس کا دائرہ متعین کر دیا گیا ہے۔ اس میں مرکزی کردار خالق ارض و سماء کا ہے سرچشمہ وہی ہے علم، زندگی، تہذیب و تمدن کے لیے اور اصل علم وہی ہے جو اس نے دیا۔ خیر و شر کے پیمانے وہی ہیں جو اس نے طے کیے۔ تاہم اہم ترین بات یہ ہے کہ علم و تعلّم کی جہتوں کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔

1- رب کی دی ہوئی ہدایت کے بارے جاننے، سیکھنے اور سمجھنے کی سعی۔
2- خلق جو تمام کائنات کے نظام طبعی پر مشتمل ہے۔
3- علق جو طبعی و مادی کے ساتھ انسانی و حیاتیاتی دنیا کو محیط ہے۔
4- قلم جو انسان اور کائنات کے وسائل کے عمل و تعامل کے نتیجے میں رونما ہونے والے وسائل، ٹیکنالوجی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قلم ہی سے تاریخ رقم ہوتی ہے جو انسان کے لیے عبرت و موعظت اور بیش بہا اسباق کا مخزن ہوتی ہے۔ قلم ہی تہذیبوں کے آثار کا محافظ ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست کا نظامِ تعلیم ان چاروں کو محیط ہے یعنی رب کی عطا کردہ ہدایت کی روشنی میں ان میادین سے متعلقہ علم کی تحصیل کی جائے جس کا مقصد یہ ہو کہ انسان عبدیت کے تقاضوں کی تکمیل کر سکے گویا شروع سے ہی مقصدیت کی حامل تعلیم بچوں کو دی جائے وہ دنیا و مافیھا سے متعلق سب کچھ جانیں اور سیکھیں لیکن اس ادراک کے ساتھ کہ "الف" سے انار ہوتا ہے جس کا کوئی خالق ہے اور جس کے ہم بھی پابند ہیں۔ اوّلین اسلامی ریاست میں دی جانے والی تعلیم کا مقصد اور غرض و افراد کو ذمہ دار اور باعمل بنانا تھا۔ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ[32]

قرآن کریم میں مومنوں کے اوصاف یوں بیان کیے گئے ہیں:

وَالَّذِینَ ہُم لِاَمَانٰتِہِم وَعَہدِہِم رَاعُونَ[33]

علماء و مفسرین کے مطابق "امانت اور عہد" کی جامع توضیح کچھ یوں ہے:

"امانت کا لفظ جامع ہے ان تمام امانتوں کے لیے جو خداوند عالم نے یا معاشرے یا افراد نے کسی شخص کے سپرد کی ہوں اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدات داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان، یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوم اور قوم کے درمیان استوار کیے گئے ہوں"[34]

گویا اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام ایسا رہا ہے جو افراد کو یوں با عمل، باشعور اور ذمہ دار بنائے کہ ان کے قلوب و اذہان میں اپنی ذات، اپنے رشتوں ناتوں، افراد معاشرہ، اپنے وسائل، عہدوں، اثر و رسوخ، ماحولیات سبھی سے متعلق اپنی ذمہ داریوں اور مسؤلیت کا تصور راسخ ہو۔ جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں تو ان امانتوں کی ادائی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں اور عملاً استعداد و مہارت کے حامل۔ بہت تلخ ہی سہی لیکن حقیقت یہی ہے کہ فی الحال ہماری صورتِ حال کچھ ایسی ہی ہے

ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
پیدا ہوئے بی اے کیا نوکر ہوئے پھر مر گئے

- **دین و دنیا کا امتزاج:**

تمام سائنسی و عمرانی علوم کی بنیادیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ایسی ہی رہنمائی احادیث مبارکہ میں بھی ملتی ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اسلامیات ایک مضمون کے طور پر شامل ہو اور باقی علوم اس سے یکسر الگ۔ ریاست مدینہ کے نظامِ تعلیم کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں دنیا و دین کی تعلیم کے مابین کوئی تفریق و دوئی نہیں پائی جاتی۔ کہتے ہیں

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ معاملہ صرف سیاست کا نہیں علوم کی جملہ شاخیں اس سے منسلک ہیں۔ ریاست مدینہ کے تعلیمی نظام کی طرف رجوع کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی بھی اور ماہر شریعت بھی[35]۔ چنانچہ اسلامی ریاست کا نظامِ تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو متعلمین کو اپنے نفس، کائنات، ارض و سماء، دنیا ومافیھا پر تفکر و تدبر کی مہمیز دے۔ وہ اپنے آپ اور اپنے گرد و پیش کی ہر شے کو الہامی ہدایت کی روشنی میں سمجھے اور اس دنیا میں اپنے مقام اپنی حیثیت کا ادراک کر کے ایک فعّال زندگی بسر کرے۔ وہ خواہ سیاست دان ہو دنیا بھر کے سیاسی نظاموں کو پڑھے سمجھے اور پھر اسلام کے سیاسی نظام کو پوری روح کے ساتھ سمجھ کر اس کے مطابق نظامِ ریاست چلانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ ماہرِ معیشت ہے تو اسلامی معاشیات کا نفاذ کرے اور دنیا کو اس کے فوائد و ثمرات دکھائے۔ قاضی بنے تو اسلام کے عدیم النظیر نظامِ عدل و انصاف کو رائج کرے۔ عہدِ فاروقی سے ایک

زریں مثال برائے ملاحظہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ بازار میں کوئی ایسا شخص کاروبار نہ کرے جو علم فقہ نہ جانتا ہو۔ وہ ایسے لوگوں کو سزا دیتے تھے جو فقہ نہ جاننے کے باوجود بازار میں بیٹھیں[36] تو گویا تاجر ہے بازار میں کاروبار کر رہاہے لیکن ماہر فقہ بھی ہے۔ دین و دنیا کا خوبصورت امتزاج اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام ہی کا خاصہ ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دینیات کو پورے نظامِ تعلیم میں اس طرح اُتارا جائے کہ اس کا دوران خون، اس کی روح رواں، اس کی بینائی و سماعت، اس کا احساس و ادراک، اس کا شعور و فکر بن جائے۔ اور مغربی علوم و فنون کے تمام صالح اجزاء کو اپنے اندر جذب کر کے اپنی تہذیب بناتا چلا جائے۔ اس طرح مسلمان فلسفی، مسلمان سائنسدان، مسلمان ماہرینِ معاشیات، مسلمان مقنن، مدبرین غرضیکہ ہر علم و فن کے مسلمان ماہر پیدا ہوں گے جو زندگی کے مسائل کو اسلامی نقطہ نظر سے حل کریں گے۔ تہذیب حاضر کے ترقی یافتہ اسباب و وسائل سے تہذیبِ اسلامی کی خدمت لیں گے اور اسلام کے افکار و نظریات اور قوانین وروح کو روحِ عصری کے لحاظ سے از سر نو مرتب کریں گے۔ یہ تخیل قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی کا اساسی تخیل تھا اور آج بھی یہی مطلوب ہے[37]۔

- **معاشی بقاو استحکام کی ضمانت**

حضورؐ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد جو چند اولین اقدام کیے ان میں سے ایک بازار کا قیام تھا۔ معیشت کسی بھی ریاست کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی کمزوری ریاست کی کمزوری ہے۔ ریاست کی غیرت و حمیت اور اس کی عزتِ نفس اسی صورت محفوظ رہ سکتی ہے جب وہ کسی کی دستِ نگر نہ ہو۔ معاشی طور پر خود کفیل ہو۔ لہٰذا اس قومی عزت و وقار کا تحفظ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ریاست معاشی طور پر مستحکم ہو ۔بقول شاعر

جھکا دے گا تیری گردن کو یہ خیرات کا پتھر
جہاں میں مانگنے والوں کے اونچے سر نہیں ہوتے (تقی عثمانیؒ)

غربت اور معاشی محتاجی ایسی بری چیز ہے کہ ایمان جیسی انمول شے کی بقا کو بھی اس کے سبب خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا:

كادالفقر ان يكون كفرا [38]

سو اسلامی ریاست تعلیمی نظام کی تشکیل میں اس اہم پہلو پر خاص توجہ دی جانی چاہیے کہ ایسی تعلیم دی جائے جو پیشہ ورانہ مہارتوں کی حامل ہو۔ ملازمت پیشہ افراد تیار ہوں تو اپنے کام کے ماہر ہوں۔ لیکن زیادہ اہمیت اس امر

کو دی جانی چاہیے کہ کاروبار، تجارت اور Enterprenurship کو فروغ دینے کے لیے خاص تعلیمی نصاب اور حکمت عملی وضع کی جائے۔ اسے پڑھایا جائے۔ فرمانِ رسول اکرمؐ کے مطابق اقتصاد کے دس میں سے نو حصے تجارت میں ہیں۔ لہٰذا کاروبار کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی نظام میں خاص تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ امت مسلمہ جس معاشی زبوں حالی کے گڑھے میں گر چکی ہے اس سے نکلنے کے لیے لازمی ہے کہ معاشی خود انحصاری کی حکمت عملی کو تعلیم و تربیت کے نظام اور نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ اور مملکت خداداد پاکستان جیسے ملک میں جو قرضوں کی دلدل میں گھرتا چلا جارہا ہے، یہ کام اور بھی ضروری ہے۔ آپؐ کی حیات مبارکہ سے سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں کہ آپؐ نے لوگوں کو اپنا کام کرنے کی تحریص دی خواہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ہی کیوں نہ ہو۔

- **حفظانِ صحت و جسمانی طاقت**

فرمانِ رسول اکرم ہے

المومن القوی خیر من المومن الضعیف[39]

"طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے"۔

اور ایمان کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مومن کے دل میں تمنائے شہادت ہو۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ جسمانی طور پر صحت مند اور قوی ہو۔ لہٰذا ابتدائی سطح سے اعلیٰ مدارج تعلیم تک حفظان صحت و قوت کے حصول کو لازمی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں جیتی جاگتی مثال ہے اسرائیل میں میٹرک کی سطح کی سند کے حصول کے لیے عسکری تربیت کے حصول کا لزوم۔ وہاں تیر اندازی بھی سکھائی جاتی ہے نشانہ بازی بھی سبھی کچھ سیکھ کر اس میں مہارت تامہ ثابت کر کے طالبعلم کو سند لینے کا مستحق تصور کیا جاتا ہے اور ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ اسرائیل نے دنیا پر کس طرح پنجہ ٔاستبداد گاڑ رکھا ہے۔ یہ اصول ریاست مدینہ کا تھا۔ آپؐ نے تیر اندازی، گھڑ سواری، نیزہ بازی، دوڑ وغیرہ سیکھنے کی خاص ہدایت فرمائی۔ آپؐ بچوں کے مابین دوڑ کے مقابلے کرایا کرتے اور اول آنے والے کو انعام دیا کرتے۔[40] فرمایا:

ان القوۃ الرمی ان القوۃ الرمی ان القوۃ الرمی[41]

"تیر اندازی قوت ہے۔ تیر اندازی قوت ہے تیر اندازی قوت ہے"

حضرت عمر فاروقؓ نے اہلِ شام کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا:

"تیر اندازی بھی کرو اور گھڑ سواری بھی کرو اور گھوڑوں پر سوار ہو کر تیر چلانے کی مشق کرو۔ مجھے گھڑ سواری کے مقابلے میں تیر اندازی زیادہ پسند ہے۔"[42]

تیر اندازی نہایت طاقت اور توجہ کے انتہائی ارتکاز (Focus) کا متقاضی فن ہے۔ معاصر حالات کے تناظر میں ہمیں سمجھ آنی چاہیے کہ اسرائیلی اپنے بچوں کو تیر اندازی کیوں سکھاتے ہیں۔ اسی طرح گھڑ سواری کا معاملہ ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق لوگوں کو تاکید فرماتے کہ اپنے بچوں کو گھوڑوں پر [بالخصوص بغیر زین کے] اچھل کر سوار ہونا سکھائیں۔[43]

یہ سخت کوشی جو ہمارے دشمن نے اپنا رکھی ہے، آنجنابؐ کے تشکیل کردہ معاشرے اور آپؐ کے پروردہ افراد کا خاصّہ تھی۔ حضرت عمرؓ آذربائیجان میں اہلِ ایمان کو نصیحت فرماتے ہیں: "معد بن عدنان کی مشابہت اختیار کرو کھردرا لباس پہنو۔ جان کھپاؤ۔ سواری پر اُچھل کر چڑھو، نشانہ بازی اور ورزش کیا کرو۔"[44]

معاصر تحقیقات کے مطابق تیراکی جسم کو قوی بنانے میں اساسی اہمیت کی حامل ہے حتیٰ کہ عمل تنفس کی بہترین فعّالیت کی ضامن بھی۔ فرمانِ رسول اکرم ہے:

"ہر چیز لہو و لعب ہے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو سوائے چار چیزوں کے (1) آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیل؛ (2) گھوڑے کو سدھانا؛ (3) دو اہداف کے درمیان چلنا؛ (4) تیراکی سیکھنا اور سکھانا[45]۔ حضرت عمرؓ فاروق اپنی رعیت کو تاکید فرماتے کہ "اپنے بچوں کو تیراکی سکھاؤ[46]۔ عرب میں اس شخص کو الکامل کا لقب دیا جاتا تھا جو تیراکی اور شاعری میں ماہر ہوتا تھا۔[47]

معاصر عالمی منظر نامے میں امت مسلمہ کی بقا کے لیے اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ حفظان صحت اور حصول قوت و طاقت کو طلباء یا افراد معاشرہ کی ذاتی صوابدید اور پسند ناپسند پر نہ چھوڑا جائے اور جب تک طلباء ان کے امتحان پاس نہ کریں ان کو اسناد جاری نہ کی جائیں۔ عصرِ حاضر میں جسم کی لچک و طاقت میں اضافے، اعصاب کی مضبوطی، ارتکاز توجہ اور حاضر دماغی و چستی سکھانے کے جتنے بھی طریقے متداول ہیں وہ اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کا باقاعدہ حصہ ہونے چاہییں۔ نیز نافع اور طیب غذا کے متعلق شعور و آگاہی دینا اور نقصان دہ (Junk) غذا، جس کا استعمال عام ہے، کے مضرات سے آگاہی بھی نصاب کا حصہ ہونی چاہیے۔

- **تخصّص کا اہتمام**

عصر حاضر میں تخصّص (Specilization) پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اسے مہارت کی ضمانت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل حضورؐ کے وضع کردہ تعلیمی نظام کا خاصّہ ہے۔ آپؐ جس طرز پر علوم کی سرپرستی فرماتے تھے اس سے تخصص کا رجحان اور اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کسی بھی فن یا شعبہ علم سے متعلق تعلیم کی تحصیل کے لیے اس کے ماہر استاد کی جانب رجوع کا زریں اصول آپؐ نے ہی سکھایا۔ مثلاً فرمایا

خذوا القرآن من اربعة، مِن عبدِ اللّٰهِ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب[48]

ایک مرتبہ ایک صحابی بیمار ہوگئے۔ آپؐ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمھارے محلے یا قبیلے میں کوئی طبیب ہے؟ جواب میں دو نام بتائے گئے تو فرمایا ان میں سے جو ماہر تر ہو اسے بلاؤ[49]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ تخصص کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ ہے:

"من تطب ولایعلم منه طب، فهوضامن"[50]

"جس شخص کو علم طب سے کوئی واقفیت نہیں اگر وہ علاج کرے تو (نقصان ہونے کی صورت میں) خود ذمہ دار ہوگا"

لہٰذا تعلیمی نظام اس نوعیت کا ہونا چاہیے جس میں ماہرین اور متخصصین پیدا ہوں۔ ہمارے اسلاف کی میراث یہی ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق کے دور سے اس کی زریں مثالیں ملتی ہیں مثلاً وہ مختلف مفتوحہ ممالک کے جغرافیائی تجزیے کرنے کے لیے ماہرین کی جماعتیں بھیجتے رہتے تھے۔ اسی طرح کی ایک رپورٹ حضرت عمروؓ بن العاص نے بھیجی۔ وہ اس قدر جامع و تفصیلی تھی کہ حضرت عمرؓ پکار اٹھے "اے ابن عاص اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے تو ایسی روداد بنا بھیجی ہے جیسے میں خود مصر کو دیکھ رہا ہوں۔" ڈاکٹر محمود احمد غازی اس کی بابت لکھتے ہیں "مشہور فرانسیسی اخبار لہ فگارو نے اس رپورٹ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اس کو بلاغت، جامعیت اور واقفیت کے ایک اعلیٰ نمونے کے طور پر تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔"[51] آج ہمیں ایسے ہی متخصصین تیار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

- **عصری تقاضوں کا شعور اور ہم آہنگی**

آپؐ نے تاکید فرمائی کہ اللہ سے علم نافع کا سوال کیا کرو۔ آپؐ دعا مانگا کرتے

اللهم انی اسئلک علماً نافعاً[52]

اسی نافع علم میں سے ایک شاخ دنیا میں بحیثیت امت مسلمہ اپنے مقام، امت کو درپیش تحدیات اور ان کے تدارک کا شعور ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَن تَرضٰی عَنکَ الیَهُودُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُم[53]

"یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کا اتباع نہیں کروگے۔"

"ملت" میں صرف دین نہیں کلچر، شعائر، تہذیب سبھی کچھ شامل ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی "یہ بات جب تک ہماری پالیسی کا حصہ نہیں ہوگی تب تک ہماری کوئی پالیسی کامیاب نہیں ہوگی"[54]۔ تعلیمی پالیسی کو بھی استثناء نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کو ایسا ہونا چاہیے جو طلباء کو عصری تقاضوں اور چیلنجز سے شناسا کرے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر طرح تیار اور لیس کرے۔ آپؐ کی حیات مبارکہ سے اس کی کافی و شافی مثالیں ملتی ہیں۔ آپؐ کے درباری کاتب، جو معاہدات اور دیگر اہم خط کتابت کیا کرتے تھے، حضرت زیدؓ بن ثابت تھے۔ انھوں نے اپنے شوق سے اور بروایت دیگر حکم رسول پر مدینہ منورہ آنے جانے والوں سے فارسی اور حبشی زبانیں سیکھیں۔ ایک بار یہود کا ایک مقدمہ ٔزنا بارگاہِ رسالت مآب میں پیش ہوا۔ اس موقع پر آپؐ نے محسوس کیا کہ عبرانی زبان جاننے والا کوئی قابل اعتماد شخص ہونا چاہیے۔ آپؐ کے حکم پر حضرت زیدؓ نے چند ہفتوں کی قلیل مدت میں عبرانی سیکھی[55]۔ پھر مختلف غزوات میں اس وقت کے جدید ترین ہتھیار مثلاً منجنیق، دبابہ وغیرہ کے استعمال کے شواہد[56] یہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں کہ امت کو ہر دور میں معاصر ہتھیاروں سے لیس ہونا چاہیے۔ آج مغرب کے مسلسل تسلط، برتری اور استیلا کے اسباب و عوامل میں تمام تاریخی اسباب کے ساتھ ساتھ اصل اور بنیادی کردار مغرب کی اعلیٰ اور پیچیدہ ٹیکنالوجی، مستحکم اقتصادیات، فوجی طاقت، عالمی میڈیا اور قومی ذرائع ابلاغ پر برتری کا ہے۔[57]

تاریخ اسلام کے افق پر ایسے متعدد درخشاں ستارے موجود ہیں جنھوں نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق اور درپیش محاذوں پر اپنی استعداد میں مسلسل بڑھوتری کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر وہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ ہوں جنھوں نے قلیل فوج کے ساتھ اپنی تکنیکوں سے بیت المقدس فتح کیا اور جو اپنے اوپر قاتلانہ حملے کے بعد دشمن کی طرف آئے ہوئے تیروں اور اپنے تیروں کا موازنہ کرتے رہے[58]۔ یا سلطان محمد فاتحؒ ہوں جنھیں جب بھی کسی نئی جنگی ایجاد کا علم ہوتا وہ فوراً اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے اور اس سے کماحقہ استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کرتے[59]۔ یا پھر وہ سلطانؒ ٹیپو ہوں جنھوں نے امرت محل میں ایسے تنومند بیلوں کی افزائش نسل کی جو انتہائی برق رفتاری سے کٹھن راستوں پر چلتے ہوئے توپ خانوں اور اسلحے کو اگلے مورچوں تک پہنچا دیتے۔[60] ہمارے دشمن نے ہمیشہ ہمیں عسکری طور پر بے دست و پا رکھنے کی کوشش کی خواہ وہ صلیبیوں کا عہد تھا[61] یا پھر بہادر شاہ ظفر کے ساتھ انگریز کا معاہدہ جس میں شہزادوں کی عسکری تربیت پر پابندی لگائی گئی تھی[62]۔

آج ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو ان سارے امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ساری زندہ زبانوں کا علم بھی چاہیے۔ سائنس و ٹیکنالوجی، عسکریات غرضیکہ ہر میدان میں پوری طرح آگاہ

وشناسا اور مستعد ہونا بھی لازم ہے۔ ہمیں دشمن کے ہتھکنڈوں سے آگاہی کی ضرورت ہے جس نے سوشل میڈیا پر لغویات میں مشغول کر کے ہمیں بے ہوش کر دیا ہے۔

- **تشکیل سیرت**

ایک بنیادی چیز جو نظامِ تعلیم میں ملحوظ رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ محض کتابیں اور علوم و فنون سکھا دینے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے ایک ایک نوجوان کے اندر اسلامی کریکٹر پیدا ہو۔ خواہ وہ سائنٹسٹ ہو خواہ وہ ماہر علومِ عمران ہو خواہ وہ سول سروس کے لیے تیار ہو رہا ہو جو بھی ہو اس کے اندر اسلامی ذہنیت اور اسلامی کریکٹر ضرور ہونا چاہیے اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ یہ مقصد کردار سازی ہمارے نظامِ تعلیم کی حکمت عملی کی تیاری میں پیش نظر رکھا جائے۔[63]

- **تمام طبقات معاشرہ کے لیے تعلیم کے مواقع**

1- **معذوروں کے لیے تعلیم:**

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو آنجنابؐ نے اپنی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ یعنی اسلامی ریاست میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کے ایک بظاہر معذور فرد کو یہ اعزاز بخش دیا کہ وہ کسی سے کم نہیں اور تمام معذوروں کو بھی وہ قدر و منزلت عطا فرمادی کہ زندگی کے کسی میدان میں بھی وہ باقی افراد سے کم تر نہیں[64] لہٰذا حکومت کی تعلیمی پالیسی میں معذور افراد کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔ مثلاً نابینا بچوں / افراد کے لیے brail کتب کا انتظام کیا جائے جو حکومت مفت انھیں فراہم کرے۔ اسی طرح ہر قسم کی معذوری کی رعایت سے ان خصوصی افراد کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام بھی حکومت کی تعلیمی پالیسی کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ یہ لوگ نہ صرف خود محتاجی سے بچیں بلکہ ایک بوجھ بننے کے بجائے معاشرے کا عضو فعّال بن کر اپنا مکمل تعاون و اشتراک کر سکیں۔

2- **خواتین کی تعلیم:**

خواتین کی تعلیم گو اب عام ہے اور چند علاقوں کے علاوہ ان کی تعلیم پر کوئی قدغن نہیں ہے تاہم موجودہ نظامِ تعلیم (مخلوط نظامِ تعلیم) پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سیرت النبی کی روشنی میں جب تعلیمی نظام تشکیل دینے کی بات ہوگی تو اس نظام میں لامحالہ خواتین کے تعلیمی ادارے مردوں سے الگ ہوں گے۔ جہاں وہ بہ سہولت تعلیم

حاصل کر سکیں۔ آنجنابؐ نے اسی مقصد کے پیشِ نظر خواتین کے لیے الگ دن اور الگ مقام کا تعین فرمایا تھا[65] حضرت عمرؓ کے عہد میں خواتین کے باقاعدہ الگ مدرسے قائم ہوئے اور خواتین کے لیے بھی جبری تعلیم رائج ہو گئی تھی۔[66]

تاہم ایک اہم ترین نکتہ نصاب اور تربیت و تدریس کی سطح پر محتاج توجہ ہے۔ آج کی بچی کل کی ماں ہے۔ اس کے اپنے خیالات و نظریات بچوں کو لامحالہ متاثر کریں گے۔ وہ اسی عکس میں ڈھل کر جوان ہوں گے جس میں ماں شعوری یا لاشعوری طور پر ان کو ڈھالے گی۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق نے ایک رات گشت کے دوران ماں بیٹی کی گفتگو سنی، بیٹی ماں کو کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی نہ ملائیں عمرؓ نہیں دیکھ رہے خدا تو دیکھ رہا ہے۔ اس بیٹی کے کردار سے حضرت عمرؓ فاروق اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے اپنی بہو بنالیا اور ان کی یہی بہو حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کی نانی تھیں[67]۔ ماں کا کردار اس قدر اہم ہے۔ تو بچیوں کی تربیت اسی انداز میں کی جانی چاہیے کہ کل جس نسل کو وہ پروان چڑھائیں وہ غیور، بہادر، خود کفیل، ذمہ دار اور باعمل مسلمانوں پر مشتمل ہو۔ خواتین خواہ ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، وکیل، سیاستدان کچھ بھی بنیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ کام ان کے اس فطری وظیفہ کی ادائی کی راہ میں حائل نہ ہو جس کے نتیجے میں ان کے قدموں تلے جنت آجاتی ہے۔ کوئی بھی ایسی تعلیمی ترقی یا Career جو ماں کے فریضے کی کماحقہ ادائی کی راہ میں حائل ہو وہ نہ تو مدینۃ النبی کے تعلیمی نظام کے مطابق ہے اور نہ ایک صالح اسلامی معاشرے کے لیے نافع۔ لہٰذا خواتین کی تعلیم میں اس نکتے پر خاص توجہ مرکوز کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

3- غیر مسلموں کی تعلیم:

گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی مانند غیر مسلموں اور قیدیوں تک کے لیے جبری تعلیم رائج ہو چکی تھی۔ لہٰذا تعلیم سب کا حق ہے۔ ریاست میں آباد غیر مسلموں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا مساوی حق حاصل ہے البتہ وہ اپنے نصاب کے معاملے میں آزادی رکھتے ہیں۔ اس کی رخصت اور اجازت آپ ﷺ نے میثاقِ مدینہ میں غیر مسلموں کو دی ہے۔[68]

• اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام میں انگریزی کا مقام:

انگریزی عالمی زبان ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار ممکن ہی نہیں۔ نیز ایک مسلمان کے لیے اپنی ذمہ داری بطور داعی ادا کرنے کے لیے انگریزی زبان میں مہارت رکھنا ضروری ہے۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہنا بھی اشد ضروری ہے کہ زبان صرف زبان نہیں ہوتی اس کے ساتھ ایک پوری تہذیب اور اس قوم کی نفسیات منسلک ہوتی ہے جسے جدید محاورے میں Ethos کہا جاتا ہے۔ لہٰذا انگریزی زبان کو بطور ذریعہ تعلیم (Medium) مسلط

کرنا اس مقصدیت کے خلاف ہے جو قرآن و سنت کا مطلوب و مقصود ہے۔ سائنس اور جدید علوم کی تحصیل کے لیے اسے لازم بھی قرار دیا جاسکتا ہے لیکن عمومی طور پر اس کا اطلاق سیرت النبی سے ماخوذ تعلیمی پالیسی کی روشنی میں نہیں ہو سکتا۔ کوئی بامقصد قوم اغیار کی زبان میں ڈگریاں لے کر تیار نہیں ہو سکتی۔[69] لہٰذا ایسے متبحر علماء اور ماہرین فن نصاب سازی کے ذمہ دار ہونے چاہییں جو اس امر کا تعیّن کر سکیں کہ انگریزی کو کس حد تک نصاب کا حصہ بنانا ہے۔

چندلازمی مضامین:

مجموعی طور پر چند مضامین ایسے ہیں جو ہر سطح تعلیم پر شامل نصاب ہونا ضروری ہیں مثلاً

1- عربی زبان، تاکہ امہات مصادر اسلامی سے استفادہ کی اہلیت و استعداد پیدا ہو۔

2- علومِ قرآن جو ہر مضمون کی مناسبت سے تخصص میں بھی شامل ہوں نیز یہ پرائمری سے اعلیٰ سطح تک درجہ بدرجہ قرآن، تفسیر، تاریخ وفن تفسیر جیسے مباحث سے بھی آشنا ہوں۔

3- علومِ حدیث: ہر شعبہ حیات سے متعلق احادیث ہر سطح کے طلبا کو درجہ بدرجہ پڑھائی اور سکھائی جائیں۔

تاریخ: جو قوم اپنی تاریخ سے ناآشنا ہو اس کا جغرافیہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا پرائمری سطح سے تخصص کی سطح تک تاریخ اسلام حسب استعداد طلباء شامل نصاب ہونی چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے شروع ہونے والا تاریخ اسلام کا سفر جبکہ تخصص کے مرحلے تک پہنچے تو وہ اس خاص مضمون میں مسلمانوں کی خدمات اور کارناموں اور دنیا پر ان کے اثرات پر مشتمل ہو۔

4- تقابل ادیان: ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو یہ جاننا لازم ہے کہ دنیا میں کون کون سے مذاہب ہیں۔ ان کی تعلیمات اور مقدس متن کیا ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں اور سیرت النبی کی روشنی میں ہمیں کرہ ارض پر رہتے ہوئے ان مذاہب کے متبعین کے ساتھ کس طرح رہنا ہے۔

5- انگریزی زبان: اس کو بطور مضمون پڑھایا جانا چاہیے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو انگریزی کی اتنی شدبد تو ہونی چاہیے کہ وہ اسے سمجھ سکے، بول سکے اور پڑھ سکے۔ یہ ایک عالمی زبان ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز بالخصوص داعیوں مبلغوں اور اسلام کا عملی دفاع کرنے والوں کے لیے انگلش کتب کے مطالعے اور اس کے بہترین جواب تحریر کرنے کی استعداد کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے آپؐ کے حکم پر وہ سب زبانیں سیکھیں جن سے اس وقت آپؐ کو واسطہ پڑتا تھا۔

اختتامیہ:

گزشتہ صفحات میں امہات کتب سیرت اور خلافت راشدہ و مابعد سے چند مستند امثلہ کی روشنی میں اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کے خط و خال پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ تعلیمی نظام کو بہت بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ پاکستان جو اسلام کا قلعہ کہلاتا ہے اور واحد اسلامی ملک ہے جو ایٹمی قوت کا حامل ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ اس میں رائج تعلیمی نظام ہنوز انگریزوں کے متعین کردہ نوآبادیاتی نصاب تعلیم کا چربہ ہے۔ اس میں تاحال کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی سوائے اس کے کہ اسلامیات کا مضمون شامل نصاب ہو گیا تاہم امتداد زمانہ کے ساتھ عربی و فارسی جن میں ہماری علمی میراث پائی جاتی ہے، نصاب سے خارج ہوتی جارہی ہیں۔ فی الوقت ہم ان اشعار کے عین مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

معاصر نظامِ تعلیم مقصدیت کے عنصر سے بالکل عاری ہے۔ اپنی آئیڈیالوجی کی قندیل روشن نہیں، تعلیمی معیار پست، کام بیگاری طرز کا، اخلاقی تصور غائب نظم ڈھیلا۔ دوسری طرف اسی ملک میں واقع مشنری سکولوں کا معیار بظاہر بلند نظر آتا ہے لہٰذا زیادہ تر لوگ اپنے بچوں کو یہیں پڑھانا چاہتے ہیں۔ ان تمام مشنری اداروں کے اندر چرچ موجود ہیں۔ نرسری اور پلے گروپ(Play Group) کے بچوں کو کلاسوں کے بعد کچھ دیر چرچ میں بٹھایا جاتا ہے۔ بنیادی نظریہ و مقصدِ حیات کے دھندلے تصور کے حامل بچے عیسائیت کی تعلیمات کے حامل اداروں میں رہ کر بامقصد، غیور مسلمان کیسے بن سکتے ہیں! کل پاکستان کے مستقبل کی باگ دوڑ ان اداروں میں پروردہ لوگ ہاتھوں میں لیں گے تو آج جو بُعد ملت کے عوام اور اس کے لیڈروں میں ہے وہ پچیس برس بعد کئی گنا بڑھ جائے گا[70]۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی کی روشنی میں وضع کیا جائے۔ اُسی کا تتبع ہر میدانِ حیات میں امت کی بقا کا ضامن ہے۔ نیز اسی کے مطابق ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اس طرح تیار کر سکتے ہیں کہ وہ ہر محاذ پر دنیا کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں اور حضور کی خلافت و نیابت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

تجاویز و سفارشات:

صدیوں پر محیط تاریخ اسلامی شاہد ہے کہ جب تک حضورؐ کے وضع کردہ نظامِ تعلیم کا تتبّع کیا گیا ایسے افراد اور ادارے وجود میں آئے جو امت کی ترقی اور سطوت کا سبب بنے اور جب اس نظام کو ترک کر دیا گیا زوال و محکومی اس کا مقدر بنی۔ آج امت مسلمہ زبان حال سے اپنے زوال کی دہائی دے رہی ہے۔

1- تعلیم کو ایک مقدس فریضہ سمجھا جائے کاروبار نہیں لہٰذا کمرشلائزیشن بند کی جائے۔

2- نصاب سازی کا کام متبحر علما کی جماعت، جو علومِ اسلامی و علومِ جدیدہ سے بہرہ ور ہو، سے کرایا جائے۔

3- اساتذہ کے لیے وقتاً فوقتاً ریفرشر کورس کرائے جائیں۔

4- اساتذہ کو مالی تحفظ فراہم کیا جائے۔

5- تعلیم و تربیت کے لیے گھر کو بنیادی ادارہ بنایا جائے اور باقی ادارے اپنے اپنے وقت پر اس میں پورا حصہ ڈالیں۔

6- ریاست تعلیم کی مد میں سب سے زیادہ بجٹ مختص کرے اور تعلیم کی مفت یا کم از کم ارزاں فراہمی کو یقینی بنائیں۔

حوالہ جات

[1] Bill Ashcroft, Ganeth Griffiths and Hellen Tiffin, The Post colonial studies Reader, London, 1995, p: 430

[2] Ibid

[3] وکٹر ای مارسڈن، یہودی پروٹوکولز، ت محمد یحییٰ خان، (لاہور نگارشات، 2019ء)، پروٹوکول:16، ص198

[4] ایضاً، پروٹوکول:9، ص:158

[5] ایضاً، پروٹوکول:16:ص196

[6] محمد رسول اللہ، مدیر محمد زکریا رفیق، (لاہور بزم اقبال، 2022)، ج:6، ص: 215بعد

[7] الانعام:38

[8] النحل:89

[9] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بذیل بیعت عقبہ ثانیہ

[10] ابن عبد البر ابو عمر یوسف بن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (بیروت، دار الفکر، 2006ء)، ج:ا، ص:374

[11] تمام کتب سیرت میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

[12] مسلم حجاج بن قشیری، جامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ،(ریاض دارالسلام2000ء)،ح:677

[13] دیکھیے:ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم، ص:12

[14] ابوداؤد سلیمان اشعث، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ(ریاض دارالسلام،2000ء)،ح:3416

[15] ابن سعد، الطبقات الکبری، ج:2، ص:111

[16] الصلابی علی محمد، فصل الخطاب فی سیرۃ عمر بن الخطاب،(دمشق، دار ابن کثیر، طبع ثانی2009ء)، ص182-210

[17] ابن ماجہ ابوعبد اللہ محمد بن یزید، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ،(ریاض دارالسلام، طبع اوّل2000ء)، ح:224

[18] ابن قتیبہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم، عیون الاخبار،(بیروت، المکتب الاسلامی، س ن)ج:2، ص123

[19] ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن سورۃ، جامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ،(ریاض، دارالسلام طبع اوّل2000ء)ح:1959

[20] ایضاً، ح:1958

[21] شبلی نعمانی، الفاروق، کراچی دارالاشاعت، طبع اول 1991ء، ج:2، ص:264

[22] ترمذی، جامع، ح:2678

[23] ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ،(ریاض دارالسلام،2000ء)، ح:3685

[24] الدارمی عبد اللہ بن عبد الرحمٰن، سنن الدارمی،(کراچی قدیمی کتب خانہ س ن)ح:390

[25] الصلابی علی محمد، عمر بن الخطاب،(دمشق، دار ابن کثیر، طبع دوم،2009ء)، ص:175-210

[26] مودودی سید ابوالاعلیٰ، اسلامی نظامِ تعلیم،(م ن، س ن)ص:12

[27] الذّٰریٰت:56

[28] البقرۃ:133

[29] الندوی ابوالحسن علی، نسلِ نو کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجیے،(لکھنؤ، طبع اول1997ء)، ص15

[30] ایضاً

[31] العلق:5-1

[32] مودودی، اسلامی نظامِ تعلیم، ص13

[33] المومنون:8

[34] دیکھیے مثلاً ابوالسعود محمد بن، تفسیر ابی السعود،(بیروت دار احیاء التراث العربی، س ن)، ج:6، ص125؛ قرطبی ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن،(بیروت مؤسسۃ الرسالہ،2006ء)ج:15، ص:15

[35] شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ،(لاہور ادارۂ اسلامیات، طبع اوّل2002ء)، ج:2، ص:424

[36] ترمذی، جامع، ح:487

[37] ابوالاعلیٰ مودودی، تعلیمات، (لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، س ن)، ص25-26

[38] نسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، (ریاض، دارالسلام، 2000ء) ح:1348

[39] احمد بن حنبل، مسند، (قاہرہ دارالحدیث، طبع اول 1995ء)، ح:8611

[40] احمد، مسند، ح:1739

[41] سیوطی جلال الدین ابوعبدالرحمن بن ابی بکر، الدر المنثور فی التفسیر الماثور، (قاہرہ مرکز ہجر للبحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیہ، 2003ء) ج:7، ص160

[42] متقی الھندی علی بن حسام الدین، کنزالعمال فی السنن والاقوال، (بیروت مؤسسۃ الرسالہ س ن) ح:41883

[43] ایضاً، ح:41884

[44] متقی الھندی، کنزالعمال، ح41883

[45] البانی، سلسلۃ الصحیحہ، ح:2914

[46] احمد، مسند، ح:6369

[47] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج:3، ص:393

[48] بخاری، جامع الصحیح، ح:4999

[49] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ،

[50] البانی ناصر الدین، سلسلۃ الصحیحۃ، (دارالمعارف للنشر والتوزیع، س ن)، ح:635

[51] غازی محمود احمد، محاضرات تعلیم، (لاہور الفیصل 2014ء)، ص:123

[52] ابن ماجہ، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ (ریاض دارالسلام طبع اول 2000ء) ح:925

[53] البقرہ:120

[54] محمود احمد غازی، خطبات کراچی، (کراچی دارالعلوم والتحقیق 2012ء) ص:43

[55] المسعودی ابوالحسین بن حسین، تنبیہ الاشراف، (قاہرہ دارالصاوی س ن)، ص257

[56] امہات سیرت میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

[57] غازی محمود احمد، اسلام اور مغرب تعلقات (لاہور الفیصل 2007ء)، ص26

[58] دیکھیے التمش، داستان ایمان فروشوں کی، (لاہور 2010ء) بمواضع عدیدہ۔

[59] محمد مصطفی صفوت، سلطان محمد فاتح، ت شیخ محمد احمد پانی پتی، (لاہور کتاب میلہ، 2018ء) ص15

[60] عطش درانی، میسور کا شیر،(اسلام آباد(انٹر نیشنل بک فاؤنڈیشن جون2017ء)،ص140

[61] التمش، داستان ایمان فروشوں کی، ج:3، ص411

[62] William Dalryample, The Last Mughal,(UK, 2006), p: 401

[63] ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام تعلیم، ص:16

[64] دیکھیے کتب سیرت

[65] بخاری ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ(ریاض دار السلام، طبع اول2000ء)،ح:7310

[66] ابن سعد، الطبقات الکبری، ج:3، ص64

[67] عبد اللہ بن عبد الحکم، سیرۃ عمر بن عبد العزیز،(عالم الکتب س ن)، ص24

[68] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ،(بیروت دار النفائس، 1985ء)، ص59

[69] غازی محمود احمد، محاضرات تعلیم، ص123

[70] نعیم صدیقی، تعلیم کا تہذیبی طریقہ،(لاہور، الفیصل، 2009ء)، ص:57